سلسلۂ اشاعت قرآن حیدرآباد دکن

بابتہ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۶۳ھ

جلد (۱۱) نمبر (۲)

علم تفسیر تاریخی حیثیت سے

مرتبۂ

ابو محمد مصلح کان اللہ لہ

دفتر

قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

چندہ سالانہ دس روپیہ - ماہوار پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مولانا سید ہاشم ندوی

علم تفسیر تاریخی حیثیت سے چونکہ علوم اسلامیہ میں مقدم اور افضل ہی اسلیئے ہر زمانہ میں علماء نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اسکی ابتدا تو عہد نبوی میں شروع ہو گئی تھی لیکن صحابہ کے عہد میں اس علم کو بڑا فروغ حاصل ہوا کیونکہ قرآن کی تبلیغ نے صحابہ کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قران کی تعلیم حاصل کرے اور تعلیم دے) ارشاد نبوی نے ان میں ایک حقیقی ذوق اور شوق پیدا کر دیا تھا۔ وہ شب و روز اس پاک کلام کے معانی اور مطالب کے ادھیڑبن میں مصروف رہتے تھے چنانچہ صحابہ کبار اس مقدس کتاب کے الفاظ لغات اور محاورات۔ استعارات اور کنایات قصص اور حکایات غور و خوض کرتے

جو تسلیم پیدا کرتے اور احادیث نبوی اور آیات قرآنی پر نظر غائر ڈالکر جن مسائل کا استنباط فرماتے انکو اپنے تلامذہ کے سامنے بیان فرماتے جہاں کہیں معانی اور مطالب میں اختلاف ہوتا آپس میں مباحثہ کرتے جیسے ماننسخ من آیۃ او ننسہا کی تفسیر میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔[1]

عن ابن عباس قال قال عمر اقرئنا ابی و اقضانا علی و انا لندع من قول ابی و ذاک ان ابیا یقول لا ادع شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد قال اللہ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم میں ابیؓ سب سے بڑے قاری ہیں اور علیؓ سب سے بڑے قاضی - لیکن ہم نے ابیؓ کے اس قول کو ترک کر دیا وہ یہ کہ ابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس میں سے کسی چیز کو میں ترک نہیں کرونگا حالانکہ خدا نے فرمایا ہے ماننسخ من آیۃ او ننسہا اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر

---

[1] بخاری جلد دوم

سے ایک آیۃ کے متعلق اس طرح بحث آئی۔

قَالَ ابْنُ الزبیر قلتُ لِعثمان بْنِ عفان وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا قد قَالَ قَدْ نَسَخَتْهَا الْآیَةُ الْاُخْرٰی فَلِمَ تَکْتُبُهَا اَوْ تَدَعُهَا قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ لَا اُغَیِّرُ شَیْئًا مِنْهُ مِنْ مَکَانِهٖ۔

حضرت ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ بن عفان سے کہا کہ وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ الخ کی آیت کو دوسری آیت نے تو منسوخ کردیا ہے پھر آپ نے قرآن میں کیوں لکھا یا کیوں چھوڑا

حضرت عثمان نے فرمایا کہ اے ابن اخی میں قرآن کی کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔

غرض کہ صحابہ کرام ہی کے عہد مبارک میں تفسیر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا چنانچہ مفسرین صحابہ میں خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین استاد فن تسلیم کیے گیے اور تلامذہ صحابہ یعنے تابعین میں مجاہد۔ عکرمہ۔ طاؤس۔ عطا۔ حسن بصری وغیرہ مفسرین مشہور ہوے

ہیں اسکے بعد علم تفسیر کی تدوین کا دور شروع ہوا۔ اس میں سفیان بن عیینہ۔ وکیع۔ شعبہ۔ عبدالرزاق وغیرہ کو تقدم کا شرف حاصل ہے۔

علامہ ابن خلدون نے علم تفسیر کی دو قسمیں کی ہیں ایک نقلی جیسے ناسخ اور منسوخ۔ اسباب نزول مقاصد آیات وغیرہ یہ چیزیں صحابہ اور تابعین سے منقول اور مروی ہیں نقل کے سوا کوئی اور دوسرا سلسلہ اسمیں نہیں پیدا ہوسکتا۔ متقدمین نے ان روایات اور منقولات کو کتابوں میں جمع کر دیا ہے لیکن انکی کتابوں میں مقبول اور مردود۔ اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کی روایتیں داخل ہوگئی ہیں اسکی اصلی وجہ یہ ہوئی کہ عرب شروع شروع نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ اہل علم، وحشت اور جہالت ان میں گھر کر گئی تھی مگر جب انکو علوم کیطرف شوق پیدا ہوا۔ اسباب تکوین اسرار وجود اور تخلیق عالم کے مسائل کیطرف متوجہ ہوئے تو انکے سامنے اہل کتاب یعنی علمائے یہود اور نصاریٰ تھے اس لیے وہ انہیں سے ان مسائل کو دریافت کرنے لگے۔ اہل توریت کا اس زمانہ میں جو مبلغ علم تھا وہ عوام کے

سلہ از ابن خلدون

معلومات سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ انکی بہت بڑی جماعت بنو حمیر کے
ان لوگوں پر مشتمل تھی جو دین یہودیت کو اختیار کرچکے تھے جب
یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جیسے کعب احبار وہب
بن عنبہ اور عبداللہ بن سلام تو انکے سابقہ معلومات جو مسئلۂ
تخلیق۔ ملاحم اور قصص وغیرہ سے متعلق تھے علیٰ حالہ باقی رہے اور
بعد میں اُنھوں نے انکی روایت سے احتیاط نہیں کی اس بنا پر
تفسیر کی کتابیں اُنکے منقولات سے بھر گئیں مفسرین نے ان روایتوں
کے لینے میں صحت اور عدم صحت کا مطلق خیال نہیں کیا اور اصل
یہ ہے کہ علمائے توریت کی اس غیر معمولی عظمت اور شہرت کی بنا پر
جو انکو مذہبی حیثیت سے حاصل تھی اُنکے اقوال کو مقبولیت عامہ
حاصل ہوگئی اور اسی طرح ہماری کتابوں میں داخل ہوگئیں لیکن
جب علمائے اسلام کو تحقیق و تنقید کیطرف توجہ ہوئی تو اس پر غائر نظر
ڈالنے لگے۔ چنانچہ مغرب میں ابو محمد بن عطیہ نے سب سے پہلے ان
تفاسیر کا خلاصہ کیا اور قابلِ اعتماد روایات اور منقولات کو الگ
کرلیا اور اسکے بعد مشرق میں قرطبی نے اسکی اتباع کی تفسیر کی دوسری

قسم زبان سے متعلق ہے۔ یعنے لغت۔ اعراب۔ بلاغت اور اسالیب
قرآن کی معرفت پر مشتمل ہے۔ اس صنف پر متقدمین نے بہت
کم لکھا ہے کیونکہ ان کے پیش نظر ہمیشہ صنف اول ہی رہی ہے
اور یہ چیزیں اس وقت پیدا ہوئیں جبکہ عرب میں صناعۃ العرب
کا وجود ہوا البتہ بعض تفاسیر میں لغوی اور معنوی تحقیقات
موجود ہیں لیکن بہت کم ہیں۔ اس صنف پر سب سے معرکۃ الآرا کتاب
زمخشری کی تفسیر کشاف ہے اگرچہ اس کا مصنف معتزلی تھا۔

طبقات المفسّرین

اس فن کی اہمیت اور فضیلت کے لحاظ سے علم الطبقات میں
طبقات مفسرین کا نمبر سب سے اول ہونا چاہئیے تھا لیکن چونکہ
تفسیر اور حدیث یہ دونوں علوم توام تھے اور ایک ہی سرچشمہ
سے نکلے تھے اس لیئے عرصہ تک یہ دونوں ایک جان اور دو
قالب رہے عہد اول یعنے صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں تفسیر
حدیث اور حدیث تفسیر تھی اور اسی طرح محدث مفسر تھا اور مفسر

محدث تھا اس بنا پر دونوں کی رجال کی تاریخ آپسمیں منضم ہوگئی۔ چنانچہ ائمۂ فن رجال نے رجال حدیث اور رجال تفسیر کو ایک ہی سلسلہ میں رکھا ہے۔ متاخرین میں سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور رجال تفسیر کو الگ کر کے طبقات المفسرین لکھی۔ علامہ سیوطی کی یہ کتاب مشہور اور معروف ہے جسمیں انھوں نے رجالِ تفسیر کو چار طبقوں[۱] پر منقسم کیا ہے۔

(اولی) مفسرین صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین۔

(ثانیہ) مفسرین از جماعت محدثین۔ یہ وہ اصحاب ہیں جنہوں نے مسانیدِ صحابہ اور اقوالِ تابعین سے تفسیر کو مرتب کیا۔

(ثالثہ)۔ مفسرین از علماء اہل سنت جنہوں نے تفسیر اور تاویل کو منضم کر دیا ہے اور معانیِ قرآن اور اس کے احکام اور اعراب پر نظر ڈالی ہے۔ موجودہ زمانہ میں لوگ اسی طرف زیادہ منہمک ہیں۔

(رابعہ)۔ از جماعت مبتدعہ جیسے معتزلہ اور دیگر فرق باطلیہ علامہ سیوطی کے نزدیک حقیقی طور پر تفسیر کا اطلاق دورِ اول

---

[۱] ماخوذ از طبقات المفسرین

پر ہوگا اور دورِ ثانی کا ناقلین میں شمار ہوگا۔ اور دورِ ثالث والے مئولین کہلائینگے۔

اردو زبان میں چونکہ علوم اسلامیہ کی تاریخ کا سلسلہ ابتک مکمل طریقہ پر نہیں شروع ہوا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ علوم کی تاریخ کی ترتیب کا کام علمائے ہند اپنے ہاتھ میں لیں تاکہ ملک ملت کو اس سے استفادہ کا موقع مل سکے۔ اسی خیال کو پیش نظر رکھکر اس ناچیز نے تاریخ علم تفسیر پر ایک تالیف کا ارادہ کیا (وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللہ) اس کتاب میں سب سے پہلے علم تفسیر پر ایک مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں اس علم کی تعریف موضوع اور غرض و غایت سے بحث کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ان علوم و فنون کی توضیح کیگئی ہے جن پر اس علم کا انحصار ہے تاکہ ہر طبقہ کی خصوصیات اور امتیازات کے معلوم کرنے میں سہولت ہو۔ اسکے بعد طبقاتِ مفسرین اور انکی خصوصیات سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے صحابہ تابعین

اور تبع تابعین کو ایک ہی طبقہ میں شمار کیا ہے لیکن اس کتاب میں ترمیم کر کے ان کو تین طبقوں پر منقسم کیا گیا ہے کیونکہ یہ تینوں طبقے عدالت اور صداقت کے اعتبار سے مختلف ہیں اس لیے اس امتیاز اور خصوصیت کو جس طرح علم حدیث میں محدثین نے باقی رکھا اس علم میں بھی باقی رکھنا ایک مفسر اور مورخ کیلئے ضروری ہے۔ اسی طرح مفسرین صوفیاء کو بھی ایک علحدہ طبقہ میں رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس طبقہ پر بعض علماء کو اعتراض ہے لیکن اس کو تاریخ تفسیر سے خارج کرنا در اصل ایک اہم باب کو ضائع کرنا ہے۔ خصوصاً جبکہ مفسرین فرق باطنیہ کے احوال سے بحث کی گئی ہے تو مفسرین طبقہ صوفیاء کے احوال کو بھی بیان کرنا ایک ضروری امر ہے تاکہ دونوں طبقوں میں جو امتیاز اور فرق ہے وہ نمایاں ہو جائے۔ اس طرح ان تمام طبقات کو پیش نظر رکھکر تاریخ تفسیر کے آٹھ دور قائم کیے گئے ہیں اور ہر دور میں اسکے خصوصیات اور مدارج علم تفسیر سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۱) دورِ اوّل تفسیر بعہد صحابہ کرام (۲) دورِ ثانی تفسیر بعہد تابعین
(۳) دورِ ثالث تفسیر بعہد تبع تابعین (۴) دورِ رابع تفسیر بعہد محدثین
(۵) دورِ خامس تفسیر بعہد فقہا۔ (۶) دورِ سادس تفسیر بعہد متکلمین
(۷) دورِ سابع تفسیر بعہد صوفیا، (۸) دورِ ثامن تفسیر بعہد فرق باطنیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ ـ علم تفسیر

لفظ تفسیر کی تحقیق۔ تفسیر کے اشتقاق میں اہل لغت کا اختلاف ہے[۱] بعض کہتے ہیں کہ یہ فسر سے مشتق ہی فسر کے معنی بیان کرنے کے ہیں اور دوسرے معنی کسی مستور اور مخفی چیز کو ظاہر کرنا چونکہ تفسیر میں مشکل لفظ کے مخفی معنی کا اظہار اور بیان ہوتا ہی اس لیئے اسکو تفسیر کہتے ہیں بعض اسکو سفر کا مقلوب بتاتے ہیں اور اسفار صبح جسکے معنی روشن ہونے کے ہیں اس سے ماخوذ تسلیم کرتے ہیں چونکہ تفسیر میں بھی لفظ کے معنی کو روشن کیا جاتا ہی اسلیئے اسکو تفسیر کہتے ہیں بعض اسکو تفسرہ سے ماخوذ بتاتے ہیں جسکے معنی تشخیص مرض کے ہیں چونکہ تفسیر میں روایات سے اصل معنی کی تشخیص ہوتی ہے اس لیئے اسکو تفسیر کہتے ہیں مذکورہ بالا اقوال میں پہلا

[۱] لسان العرب

قول مرجح ہے کیونکہ قرآن نے لفظ تفسیر کے معنی توضیح اور بیان ہی کے متعین کیئے ہیں۔

وَلَا یَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۔ وہ کوئی ایسی مثال تیرے لیے نہیں لاتے جسکو ہم حق کے ساتھ اور اس سے زیادہ وضاحت اور بیان کے ساتھ تیرے پاس نہ لاتے ہوں

امثال کے معانی چونکہ اکثر پردۂ خفا میں رہتے ہیں اس لیئے اسکے معنی اظہار اور بیان اور اسکی تردید کو تفسیر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اسی آیت کریمہ سے علم تفسیر کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گی۔

تفسیر کے شرعی معنی۔ یہ اختلافات تو لغوی تھے لیکن شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی آیت کے مطلب قصہ کیفیت اور شان نزول کی توضیح ایسے الفاظ میں کیجائے کہ جن پر اس آیت کے الفاظ بھی دال ہوں تفسیر ہی کی ایک قسم تاویل ہے۔ تاویل کا اشتقاق اول سے ہے جسکے معنی رجوع کے ہیں چونکہ آیت کو اسکے معانی محتملہ پر پلٹایا جاتا ہے اسلیئے اسکو تاویل کہتے ہیں تاویل اور تفسیر کے اطلاق میں اختلاف ہے۔ ابوعبید ابن اعرابی وغیرہ کے نزدیک دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ راغب کے نزدیک

لہ مفتاح السعادہ

تفسیر تاویل سے عام ہے۔ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ اور مفردات لغت
کی توضیح کے لیے ہے اور تاویل کا معانی اور جملوں کی تشریح کیلیے
ہے اسی فرق پر تَفْسِیْرُ الرُّؤیا و تَأْوِیْلُہا کا مقولہ بھی دال ہے
لیکن تفسیر کا بھی استعمال کبھی دونوں معنی کے لیے بھی ہوتا ہے ـــ
ابوالمنصور ماتریدی[۱] کا قول ہے کہ تفسیر کا اطلاق الفاظ کے ایسے معانی
پر ہوتا ہے جن پر یہ باور کرنے کے لیے کافی شہادتیں موجود ہوں کہ
خدائے تعالیٰ نے اس لفظ کے یہی معنی مراد لیئے ہیں اگر اس معنی پر کوئی قطعی
دلیل قائم ہو جائے تو یہ تفسیر ہے اور تاویل الفاظ کے متعدد معانی
محتملہ میں سے کسی ایک معنی کو بلا کسی دلیل و حجت کے ترجیح دینے کو
کہتے ہیں۔ اسی فرق کے لحاظ سے تفسیر بالرائی ممنوع ہے لیکن تاویل
بالرائے جائز ہے۔ کیونکہ تاویل میں معنی ظنی اور قیاسی ہوتے ہیں۔
بعض علماء نے تفسیر اور تاویل میں اس طرح فرق کیا ہے کہ تفسیر کا تعلق
روایت سے اور تاویل کا درایت سے ہے۔
تعریف علم التفسیر۔ تفسیر کی تعریف میں بھی علماء میں اختلاف ہے لیکن

---

[۱] اتقان۔

علامہ زرکشیؒ کی تعریف ایک حد تک صحیح ہے۔ انکے نزدیک تفسیر وہ علم ہے کہ جسکے ذریعے سے کتاب اللہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی سمجھ میں آسکے اور جسمیں اسکے معانی، مطالب اور احکام سے بحث ہو۔ اور علم اللغۃ۔ نحو۔ صرف۔ بیان۔ اصول قرأت سے ان معانی کی توضیح میں مدد لیگئی ہو۔ اور اسباب نزول۔ ناسخ و منسوخ وغیرہ سے بحث کی گئی ہو۔

محمد بن حمزۃ الفناری المتوفی ۸۳۴ھ نے اپنی کتاب تفسیر الفاتحہ میں علم تفسیر کی تعریف پر ایک مفصل بحث کی ہے جسمیں وہ لکھتے ہیں کہ تفسیر کی سب سے جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ یہ وہ علم ہے کہ جسکے ذریعے سے احوال کلام اللہ تلفظ اور ان معانی کے اعتبار سے معلوم ہوں جنکے متعلق قطعی یا ظنی طور پر طاقت بشری کی حد تک یہ علم ہو کہ اللہ سبحانہ نے اس لفظ سے یہی معنی مراد لیا ہے۔

قرآن نے چونکہ اقوام کی اخلاقی اور تمدنی اصلاح مذہبی اور روحانی انقلاب کا دعویٰ پیش کیا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اسکے لغات اور محاورات کی تحقیق اور تدقیق کیجاتی۔ اسکے معانی اور مطالب پر ہر پہلو سے نظر ڈالی جاتی اور اسکے دقیق اور اہم مسائل کو ذہن نشین کیا جاتا۔ تاریخی واقعات سے جو عبرت آموز سبق حاصل ہوتے ہیں، ان سے اقوام کی حیات و ممات کا دستور العمل

بنایا جاتا۔ قدرت کے جن مظاہر اور مناظر کو قرآن نے آیاتِ ربانی سے تعبیر کیا ہے ان
پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈالی جاتی تاکہ نزولِ قرآن کی اصل غرض و غایت پوری ہوتی
اقوامِ عالم کی انہی اہم ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن نے اپنے معانی و
مطالب۔ امثال و تشبیہات قصص و حکایات کیطرف انسان کو بار بار دعوت
دی ہے چنانچہ امثال کے متعلق قرآن میں ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ
مَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ اور یہ امثال ہم لوگوں کیلیے بیان کرتے ہیں جنکو اہل
علم کے سوا دوسرے نہیں سمجھتے۔ اسی معنی کی ایک دوسری آیت بھی ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ اور یہ امثال ہم لوگوں کیلیے بیان کرتے ہیں تاکہ
وہ غور و فکر کریں۔ ایک آیت میں نزولِ قرآن کی غرض و غایت کیطرف اس طرح اشارہ کیا ہے
كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ
ہم نے ایک مبارک کتاب نازل کی ہے
تاکہ اسکی آیات کو لوگ سمجھیں اور صاحبِ عقل انکو یاد کریں۔ ایک دوسری
آیت میں معانیِ قرآن کے سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ ہم نے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم اسکے معانی کو سمجھو
ایک دوسری آیت میں قصص و حکایات کے بیان کی غرض ظاہر کی گئی ہے وَتِلْكَ

ایاتُ الکتابِ المبین نتلوا علیک من نباء موسیٰ و فرعون بالحق لقوم یومنون یہ آیتیں کتاب مبین کی آیتیں ہیں ہم موسیٰ اور فرعون کی خبریں تم سے صداقت کے ساتھ ایمان لانیوالی قوم کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے وہ نفع اٹھائے۔ ایک جگہ پر معرفت بالقرآن کو حکمت سے تعبیر کیا ہے۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ جسکو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسکو حکمت دی گئی اسکو بہت بڑی خیر عطا کی گئی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حکمت کے معنی یہاں پر معرفت بالقرآن کے ہیں اسی طرح حضرت ابو درداؓ نے حکمت کے معنی قرأت قرآن بیان فرمایا ہے اور حضرت علیؓ کی بھی ایک روایت ہے جس میں حکمت کے معنی معرفت بالقرآن کے ہیں۔ قرآن مجید کی اس دعوت حقہ پر لبیک کہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خاص طور پر اسکے معانی و مطالب پر غور و خوض کرنیکی ہدایت فرمائی اور اسکی عام تعلیم کا حکم دیا چنانچہ حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے جس میں قرآن کی تعلیم کی خاص ہدایت ہے عن عثمان قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضلکم من تعلم القرآن و علمہ۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے افضل وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا یا تعلیم دیتا ہے۔

---

۵۱ القال ۵۲ مفتاح السعادۃ

مقدس تجاویز

(۱) جس طرح مسلمانوں کا ایک رسول ایک کتاب اور قبلہ ایک ہے۔ اسی طرح عالمگیر قرآنی تحریک کا مرکز بھی ام القریٰ کو بنایا جائے اور دنیا میں اسلامی شہنشاہیت قائم کرنے کیلیے مدینۃ الاسلام کا قیام مکہ معظمہ میں

(۲) اسلامی ممالک کے عام باشندوں کے نمائندوں کی ایک عام مجلس شوریٰ کے علاوہ والیان ملک اور [illegible] کی شرکت بھی ضروری ہے جن کی امداد اور مشورہ سے مدینۃ الاسلام مکہ معظمہ کا انتظام ہو اور ایک منتخب شخص ہو جو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین قرار پائے۔

(۳) مدینۃ الاسلام مکہ معظمہ کیلیے دنیا اسلام سے تبلیغ اسلام کیلیے ایک کروڑ روپیہ سالانہ کی امداد علاوہ زکوٰۃ و خیرات وغیرہ کی مد سے آئے۔ اسلامی بیت المال بھی اس سے متعلق قائم کیا جائے۔

(۴) مدینۃ الاسلام مکہ معظمہ کے متعدد مراکز ہوں جو عموماً ہر جگہ اور خصوصاً ہر اسلامی ملک میں قائم

(۵) تعلیم اور تبلیغ و تنظیم کے داخلی و خارجی دو شعبے قائم ہوں ایک مسلمانوں کیلیے اور دوسرا اقوام کے اندر قرآن مقدس کو پہنچاتے رہنے کے واسطے۔

(۶) ہر شخص پر قرآن کا پڑھنا یا سننا لازمی قرار پائے متحدہ قومیت کے اصول پر ہر گھر اور ہر مسجد میں قرآن ایک عالمگیر سلسلہ قائم ہو جس میں ایسے افراد تیار کیے جائیں جو ہر مسلمان کو مجاہد فی سبیل اللہ اور مبلغ قرآن بنا سکیں؟

(۷) انجمنوں، اخبارات اور رسائل، تالیف و تصنیف نیز سیاحت و تعارف کے ذریعے قرآنی تحریک کا چرچا کیا جائے اور نوع انسان کو خدائی حکومت کے قیام، خدا کی سچی عبدیت اور محبت الٰہی کا درس دیا جائے انشاء اللہ۔

جیسے ہم رساں کہ بازی بعالم
ہمتے کہ از سپہر عالم تواں گرفت

ابو محمد مصلح
دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد
(ہندوستان)

اعظم اسٹیم پریس